R. No. 2[illegible]　　　　　　　　Regd. No. 9[illegible]

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Tele. No. 29
Telegrams
"ANJUMAN"

[illegible]

جلد ۲۲ - شمارہ ۱۰ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۸ مارچ ۱۹۶۳ء

ڈاکٹر محمود الٰہی

کلامِ مظہر جانجاناں کی گم شدہ بیاض

اُردو شاعری کی تاریخ میں مرزا مظہر جان جاناں کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ یوں تو اُن کی علمی اور ادبی خدمات کا اعتراف اہلِ نظر کے حلقوں میں برابر کیا جاتا رہا ہے لیکن ان کے فکر و فن پر اب تک کوئی مبسوط مقالہ نہیں لکھا گیا تھا۔ اس کا سبب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ ان کا اُردو کلام بہت کم دستیاب ہو سکا ہے جسے کسی عظیم عمارت کی بنیاد قرار دینا ایک مشکل امر تھا لیکن عبد الرزاق قریشی رفیق، انجمنِ اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی نے اس مشکل کو آسان بنایا اور "مرزا مظہر جان جاناں اور ان کا اُردو کلام" لکھ کر اُردو کے تحقیقی کارناموں میں ایک اہم اضافہ کیا۔ انھوں نے بڑی محنت سے مرزا کے وہ اشعار اس مقالے میں جمع کر دیے ہیں جو مختلف تذکروں اور بیاضوں میں بکھرے ہوئے تھے۔

تدوینِ اشعار کے ضمن میں قریشی صاحب نے مولانا کیفی چریاکوٹی کی وہ روایت بھی پیش کی ہے جس سے مظہر جانجاناں کے اُردو دیوان کی نشان دہی ہوتی ہے۔ کیفی چریاکوٹی نے مظہر جانجاناں کے باب میں یہ کہا تھا:-

> "شاہ شاہد علی صاحب سبزپوش، تخلص فانی رئیس گورکھپور کا بیان ہے کہ مرزا صاحب کا مکمل دیوان اُردو قلمی کتب خانہ خانقاہ جون پور میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نشان نہیں ملتا۔"
>
> (جواہرِ سخن حصّہ اوّل ص ۲۰۴)

صاحب تذکرۂ مسرت افزا کے بعد فرانسیسی مستشرق گارسین دتاسی نے اور دتاسی کے بعد کیفی چریاکوٹی نے مظہر جانجاناں کے اُردو دیوان کی نشان دہی کی ورنہ عام طور پر تذکرے اس باب میں یا تو خاموش ہیں یا یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انھوں نے کوئی دیوان یادگار نہیں چھوڑا۔ چریاکوٹی کی روایت میں نسبتہً زیادہ قطعیت ہے اور پھر یہ روایت ایسے زمانے میں پیش کی گئی جب اُردو میں تلاش و تحقیق کا کام ایک تحریک کی صورت میں شروع ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے (دلّی کا دبستانِ شاعری) کے سلسلے میں اور خود قریشی صاحب نے کیفی صاحب کے بتائے ہوئے دیوان کو تلاش کیا مگر دستیاب نہیں ہوا۔ قریشی صاحب لکھتے ہیں:-

> "مدت ہوئی ہم نے اس نسخہ کا پتہ لگانے کی کوشش کی تھی لیکن افسوس کہ جون پور کی خانقاہ میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ اگر شاہ شاہد علی صاحب کا بیان صحیح ہے تو مرزا صاحب کے اُردو دیوان کا غائب ہو جانا دنیائے اُردو کا ایک ایسا سانحہ ہے جس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے، کم ہے۔"
>
> (مرزا مظہر جانجاناں اور ان کا اُردو کلام ص ۲۱۳)

گزشتہ سال جب میں ان مخطوطات کی فہرست تیار کر رہا تھا جو گورکھپور کے ذاتی کتب خانوں میں محفوظ ہیں تو مجھے سید شاہد علی سبزپوش کے کتب خانے سے بھی استفادہ کرنے کا موقع ملا۔[1] اس ذخیرے کی فہرست سازی کے وقت مجھے ایک ایسی کتاب ملی جس کی جلد پر "کلام مرزا مظہر جانجاناں"

---

[1] میں یہاں اپنے کرم فرما جناب [illegible] سید شاہد علی سبزپوش کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس نادر ذخیرے سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں۔

وغیرہ تحریر ہے۔ ورق گردانی کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مختلف رسائل کا ایک مجموعہ ہے۔ اس میں ایسے اوراق بھی ہیں جن میں مرزا مظہر جان جاناں کے چند اشعار ہیں۔ یہ در اصل ایک بیاض ہے جو اپنے لکھنے والے کی رنگا رنگ طبیعت کی ترجمانی کرتی ہے۔ رسالۂ تیر اندازی سے لے کر شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح کے اقوال تک اور قربان علی کی سفینۃ العیش سے لے کر نسخہ ہائے طعام تک اس میں شامل ہیں۔ بیاض کے تقریباً تین سو صفحے ہیں کم از کم دس موضوعات پر تحریریں ملتی ہیں۔ بیاض کی تحریر کا زمانہ سنہ ۱۱۴۹ھ سے لے کر سنہ ۱۱۵۲ھ تک ہے۔ اس کے کاتب اور مالک کا نام میر مصلح الدین حسینی عرف رحیم اللہ ابن سید صلاح الدین حسینی ہے۔ میر مصلح الدین فارسی اور ریختہ کے شاعر بھی تھے اور شیفتہ تخلص کرتے تھے۔ یہ محمد شاہ کے دار الانشاء میں ملازم تھے۔ انھوں نے اس بیاض میں اپنا مجموعۂ مکاتیب بھی شامل کر لیا ہے جس کے دیباچے میں ان کے تفصیلی حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔

شیفتہ مظہر جان جاناں کے معتقدین میں تھے۔ انھوں نے اس بیاض میں ایسی چیزیں بھی شامل کی ہیں جن سے مظہر اور اُن کے بعض شاگردوں سے ان کی عقیدت کا علم ہوتا ہے۔ بیاض کے چند صفحات میں انھوں نے معاصر شعراء کے چند اُردو اشعار بھی جمع کر دئے ہیں جن میں بلا شبہ مظہر جان جاناں کے اشعار بھی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ان اوراق کی بنیاد پر یا اس بیاض میں مظہر اور ان کے بعض شاگردوں کے بارے میں جو مواد موجود ہے اسے پیش نظر رکھ کر سید شاہد علی سبز پوش رح نے مولانا کیفی چریا کوٹی سے دوران گفتگو میں کچھ کہا ہو۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مولانا کیفی نے جون پور کی جس خانقاہ کا ذکر کیا ہے اس کے سجادہ نشین سید شاہد علی سبز پوش رح تھے۔ ان کا قیام گورکھپور میں بھی رہتا تھا اور جون پور میں بھی مرحوم اپنے کتب خانے کی اہم کتابیں سفر میں ساتھ رکھتے تھے۔ اس طرح یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ مولانا کیفی کا بیان بے بنیاد نہیں تھا۔ پورا دیوان نہ سہی لیکن مظہر کے چند اشعار اور ان کے سلسلے کی بعض نئی مگر اہم چیزیں جن کا تعارف کسی اور موقع پر کرایا جائے گا، خانقاہ جون پور کے سجادہ نشین کے پاس تھیں۔

بیاض کے زیر بحث اوراق کرم خوردہ ہیں اور اکثر مصرعے پڑھے نہیں جا سکتے لیکن میں اس کا ایک ایک لفظ یہاں من و عن نقل کر رہا ہوں۔ ممکن ہے کبھی کسی دوسری بیاض سے ان ناقص الحروف مصرعوں کی تکمیل ہو جائے! ان میں چند شعر ایسے بھی ہیں جو شمالی ہند کے ابتدائی دور کے ذخیرۂ کلام میں اضافہ کرتے ہیں، جن کی وضاحت حسب ضرورت حاشیے پر کی گئی ہے۔

ان اوراق میں ولی کی دو غزلیں بھی ملتی ہیں جنھیں قلم انداز کر رہا ہوں۔

ایک دن کیا تھا تحسیں نواب میر خاں نے [1]
مضموں کے ریختہ کا اب ہے دماغ اوری

آتش میں عشق کے جھکوں ہے گا فراغ اوری [2]
جوں ہے خلیل تنکا ہوتا ہے باغ اوری
ہر دن نئے کسو سیں ملتا ہے گرم جا کر
ہر روز مجکوں ظالم دیتا ہے داغ اوری
جو کچھ کہو گے تس سے پڑھ آبرو کہے گا
پیارے .... تیرا دماغ اوری

خورشید کے بدن میں غیرت کے ... شاید کہیں کے بر میں دشمن .... [3]
آشفتگان ابرو .... اے تیغ مغربی کے ....
میری فغاں کی دھن میں .... مجھ آہ کی ....
اس گل بدن کے ہاتھوں .... سر کو ....
ہر چاک جیب تیرا گلزار .... مظہر میرے جنوں میں ....

ملاحت میں ترا یوں حسن ہے جادو وروزافزوں [4]
.... کی خو جاوے تو ہو مہرو ز عاشق کا

سرمہ آلود و سفید و سُرخ ہیں انکھیاں سیاہ [5]
اب ہیں جو رنگ کرتے ہیں ترے تن میں مکاں

افسوں سیں مار چٹ پٹ لیتے ہیں دل کوں ٹکا [6]
کس ساحروں سے سیکھا زلفوں تری نے ٹکا
تجھ خسرو خوباں کا ہے شور مرد و زن میں
فرہاد سر کوں چیرا شیریں اپس کوں پٹکا
مت مل رقیب سیتی میں بارہا کہا ہوں
مرتا ہوں ان دکھوں سے جاتا ہے جان سٹکا
تجھ بے وفا کے کارن سب سے جھگڑا ہوا ہوں
.... پیارے جو تو رہے ہے بھٹکا
چھپ کر خیالوں سیں آ دو اس طرح پلنگ پر
کوئی سنیں نہ جانے تیرے قدم کا کھٹکا
دیکھ اس کی بے وفائی چھٹتا ہے کیوں تو اے دل
دلبر وہی بلائے ہو وے جو اپنی ہٹ کا

(باقی صفحہ ۸ پر)

---

[1] یہ شعر غالباً مضمون کا ہے۔ [2] یہ اشعار شاہ مبارک آبرو کے ہیں۔ (بحوالہ روٹو گراف دیوان آبرو آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)

[3] اس غزل میں شاعر نے اپنا تخلص استعمال کیا ہے اس لئے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ غزل مرزا جان جاناں کی ہے۔

[4] یہ شعر مرزا مظہر جان جاناں کا ہے (بحوالہ مظہر جان جاناں اور ان کا اردو کلام ص ۲۹۶)۔

[5] شاعر کا نام نہیں معلوم۔

[6] شرف الدین مضمون کی غزل ہے۔ اس کا صرف مطلع مشہور ہے۔ باقی اشعار کبھی میری نظر سے نہیں گزرے۔

ہماری زبان

۸ مارچ ۱۹۶۲ء

اُردو یونیورسٹی

رسالہ معارف اور اخبار قومی آواز نے یہ تجویز کی ہے کہ اب جب کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کو یونی ورسٹی کا درجہ ملنے والا ہے، اُسے اُردو یونی ورسٹی قرار دیا جائے ہم اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ ہمارے ان قومی اداروں میں سے ہے جنھوں نے شروع سے اُردو کے ذریعہ سے تعلیم پر زور دیا ہے۔ اس نے اُردو پڑھانے کے سلسلے میں نہایت کامیاب تجربے کئے ہیں۔ بچوں اور بالغوں کی صلاحیت اور مزاج کو دیکھتے ہوئے کتابیں تیار کی ہیں۔ اس نے رسالہ جامعہ کے ذریعہ سے اُردو علم و ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس کی اُردو اکاڈمی نے ہمارے جدید علمی سرمائے میں اضافہ کیا ہے۔ مکتبۂ جامعہ نے سنجیدہ اور معیاری ادب کی اشاعت کی ہے اور جدید طباعت کے طریقوں کو برتا ہے۔ جامعہ نے کئی ایسے عالم اور ادیب پیش کئے ہیں جن پر ہم فخر کرسکتے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر مجیب کی علمی و ادبی خدمات سب پر روشن ہیں۔

جامعہ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے کہ وہ اپنی تاریخ اور روایات کی روشنی میں اُردو کے ذریعہ سے اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرے۔ ایک حد تک، تو یہ اب بھی ہوتا ہے مگر جہاں تک سُنا جاتا ہے، انگریزی اور ہندی کا رواج بڑھتا جاتا ہے۔ انگریزی اور ہندی کے ذریعہ سے جہاں ضرورت ہو تعلیم ضرور دینا چاہئے، مگر توجہ اس امر پر رہنا چاہئے کہ جامعہ بنیادی طور پر ایک اُردو یونی ورسٹی رہے۔ اس طرح جامعہ کا اپنے ماضی سے ربط بھی قایم رہے گا، اُس کی ایک امتیازی حیثیت بھی رہے گی اور اُردو کی ترقی کے لئے ایک واضح راستہ بھی نکلے گا۔

ہمیں یقین ہے کہ ارباب جامعہ اس مسئلے پر فوری توجہ کریں گے۔ جامعہ کی امتیازی حیثیت اُس کی افادیت اُس کی مقبولیت اس طرح روز بڑھے گی۔ یہ اچھی بات ہے کہ جامعہ دہلی میں ہے، دہلی اُردو کا گھر ہے۔ دہلی یونی ورسٹی اب اتنی بڑی ہوگئی ہے کہ اب دوسری یونی ورسٹیوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے۔ اس دوسری یونی ورسٹی میں گریجویٹ کی منزل تک تو عمومی تعلیم ہوسکتی ہے مگر اس کے بعد مخصوص شعبوں اور مزید شاخوں کی طرف توجہ لازمی ہے۔ جامعہ، اُردو ادب، قومی تہذیب، اسلامی علوم، سیاسیات، اقتصادیات، مذہبیات، عمرانیات کے مخصوص مطالعے اور ان علوم میں مزید تحقیق پر زور دے سکتی ہے۔

اُردو یونی ورسٹی بنانے کا مطالبہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی پر بھی اُردو کا حق ہے اور یہ یونی ورسٹی اپنے مخصوص رول اور قومی زندگی میں اپنے کردار کو کبھی نظر انداز نہیں کرسکتی۔ یہاں اُردو کی اختیاری تعلیم کا نہ صرف ایم۔ اے تک انتظام ہے، بلکہ ریسرچ کی بھی سہولتیں ہیں اور اس کے علاوہ اُردو لازمی مضمون کی حیثیت سے بھی پڑھائی جاتی ہے۔ لیکن یہاں ایک عرصے سے انگریزی ذریعہ تعلیم رہی ہے اور چونکہ سارے ہندوستان سے یہاں طلبہ آتے ہیں اور سائنس، انجینرنگ اور ڈاکٹری کی بھی تعلیم ہوتی ہے اس لئے فوراً اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانا غلط ہوگا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اُردو کے ذریعہ سے امتحانات کے جوابات دینے کی اجازت ہو، سو موجود ہے۔ جامعہ کے لئے ایسی دقتیں نہیں ہیں اور اس لئے وہ اس سلسلے میں پیش قدمی کرسکتی ہے۔ وہاں اُردو ذریعہ تعلیم ہے اور صرف اسے اس کام کو اور مستعدی اور انہماک سے آگے بڑھانا ہے۔

یہ معاملہ عقل سے زیادہ عشق کا ہے۔ تماشائے لب بام سے کام نہیں چلے گا، بے دھڑک آگ میں کودنے سے بہت سی دقتیں خود ہی رفع ہوجائیں گی۔

نیشنل ڈیفنس فنڈ میں

ایک شاعر کا چندہ

گوالیار کے ایک مشاعرے میں سلام مچھلی شہری کی نظم سے متاثر ہو کر مدھیہ پردیش کے وزیر صنعت و تجارت شری نرسنگھ راؤ دِکشٹ نے ازراہ تحسین سلام مچھلی شہری کو ایک سو روپے نقد پیش کئے۔ سلام نے شکریہ کے ساتھ قبول کرتے ہوئے یہ رقم نیشنل ڈیفنس فنڈ میں دے دی، اور اپنا فاونٹین پن بھی نیلامی کے لئے پیش کیا جس سے ساڑھے تین سو روپے ملے، یہ بھی انھوں نے نیشنل ڈیفنس فنڈ میں دے دیئے۔

لکھنؤ میں غیر ملکی طلبہ کے اعزاز میں ادبی نشست

جشن جمہوریہ کے موقع پر غیر ملکی طلبہ کے اعزاز میں لکھنؤ کے اُردو اور ہندی کے ادیبوں کی مشترکہ ادبی نشست پنڈت آنند نرائن ملّا کی صدارت میں ہوئی۔ نشست کا آغاز قومی ترانے سے ہوا۔ جناب صدر نے اپنی تعارفی تقریر میں ادیبوں سے اپیل کی کہ اسی طرح ہر سال مشترکہ طور پر جشن جمہوریہ منائیں۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت ادیب تحریر اور تقریر کے ذریعے ملک کی زیادہ خدمت کر سکتے ہیں۔

اس نشست میں امرت لال ناگر، رام لعل اور جمال پاشا نے اپنی تخلیقات پیش کیں اور آنند نرائن ملّا، اختر علی تلہری، منظر سلیم ساغر مہدی، یوسف سرمدی، اور فرید عشرتی نے اپنا کلام پیش کیا۔

اس ادبی نشست میں حیات اللہ انصاری، بیگم سلطانہ حیات، علی عباس حسینی، الیٹن پال، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، احمد جمال پاشا، عابد سہیل، م نسیم، عثمان غنی، شجاعت علی صدیقی، بشیشر پردیپ، عبد الحلیم، آفتاب اختر، محمد لطیف صدیقی، ابراہیم رضوی، اقبال ندیم، بشیر فاروقی، ساحر لکھنوی، احمد ابراہیم علوی، محمد عصمت پاشا، محمد اسلام اور عبدالرؤف خاں خلیل نے شرکت کی۔ (آفتاب اختر، کنوینر)

”جوانوں کے لئے اُردو افسانوں کا مجموعہ“

انڈو دھنش رائٹرس گلڈ کے صدر نے آریہ سماج لائبریری کے لائبریرین کو اسرار اکبر آبادی کے افسانوں کا مجموعہ ”آوازیں“ کی دو سو دو جلدیں ہندوستانی فوجی جوانوں کے لئے پیش کیں، جن کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا گیا۔ (نکھل سنیاسی، سکریٹری)

”مورچہ“

گیا (بہار) سے اُردو کا ایک نیا ہفتہ وار مورچہ کے نام سے، کلام حیدری اور محجوب وارثی کی ادارت میں جاری ہوا ہے۔ قیمت چھ روپے سالانہ ہے۔ پہلا شمارہ ۲ مارچ کو شایع ہوا ہے۔

”گگن“

بمبئی سے اُردو کے ایک نئے ماہ نامے ”گگن“ کا اجرا ہوا ہے۔ مدیر شمس کنول، اور معاون مسعود اختر اور ع۔ م۔ حلیم ہیں۔ اس کا پہلا شمارہ فروری میں اور دوسرا مارچ میں شایع ہوا ہے۔ قیمت ۶۲ نئے پیسے ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد کا انتقال

یہ خبر افسوس کے ساتھ سُنی جائے گی کہ ۲۸ فروری کو ہندستان کے سابق اور پہلے صدر، ڈاکٹر راجندر پرشاد کا پٹنے میں انتقال ہو گیا۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد گاندھی جی کے پُرانے رفیق، ہندستان کے آزمودہ کار لیڈر اور انگریزی و ہندی کے نامور مصنف بھی تھے۔ انجمن ترقی اُردو (ہند) نے ان کی ایک ہندی کتاب کا اُردو ترجمہ ”باپو کے قدموں میں“ شایع کیا تھا۔

۲۹ فروری کو انجمن کے صدر دفتر میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا، اور اس روز دفتر بند رہا۔

بزم توفیق (بڑودہ)

۲۷ فروری کو بزم توفیق کی جانب سے عید الفطر کے موقع پر ایک عید ملن مشاعرہ زیر صدارت حاجی یاسین خاں صاحب منعقد کیا گیا، جس میں اُردو، ہندی، مراٹھی، گجراتی اور سندھی کے شعرا نے شرکت کی۔ گجرات میں اس نوعیت کا یہ پہلا مشاعرہ تھا۔ نانالال چوکسی صدر بڑودہ میونسپلٹی نے مشاعرے کا افتتاح کیا۔ (ابراہیم انجم، سکریٹری)

افسران تعلقات عامہ کی نئی ذمہ داری

مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات شری گوپالا ریڈی نے بہار میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے نشر و اشاعت سے متعلق افسران، اور کارکنوں کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے قومی بحران کے اس دور میں تعلقات عامہ کے کاموں کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ تعلقات عامہ کے محکمے نفسیاتی محکمے ہیں اور انھیں اہم فرض ادا کرنا ہے۔ انھیں نفسیاتی طور پر لوگوں کو اس طرح تیار کرنا ہے کہ وہ اپنے تمام اختلافات اور مقامی وفاداریوں کو بھول کر ایک نئے اور ترقی پذیر ہندوستان کے لئے متحد ہو جائیں۔ انھیں لوگوں کو بتانا چاہیے کہ ملک کو جد و جہد اور مشقت کے دور سے گزرنا ہے اور ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا ہے۔

جعفر طاہر اور خدیجہ مستور کے لئے انعامات

جعفر طاہر کے مجموعۂ کلام ”ہفت کشور“ اور خدیجہ مستور کے ناول ”آنگن“ کو پاکستان رائٹرس گلڈ نے پانچ پانچ ہزار کے انعامات دئے جانے کا اعلان کیا ہے۔

منشاء الرحمٰن

رنگِ چمن

(۲۶ر جنوری ۱۹۶۳ء)

قابلِ دید ہے فصلِ گل کی پھبن
رشکِ جنّت بنا ہے ہمارا وطن
آج تو اور ہی کچھ ہے رنگِ چمن
پھول تو پھول کانٹوں میں ہے بانکپن

سوزِ ہستی سے ہر قلب معمور ہے
جس کو دیکھو وہ سرمست و مسرور ہے

کون غنچہ یہاں آج خنداں نہیں
کون ذرہ یہاں آج تاباں نہیں
ہم نے مانا کہ آتش کا ساماں نہیں
آج پہلا سا جشنِ چراغاں نہیں

اپنے سینوں میں اک آگ رکھتے ہیں ہم
جس کے شعلے نہیں ہیں چراغوں سے کم

دل میں غیرت کی مشعل جلانا ہے اب
عزمِ تاباں کا جوہر دکھانا ہے اب
حوصلے اپنے کیا ہیں بتانا ہے اب
جوہرِ جسم و جاں آزمانا ہے اب

آج خطرہ میں جب دیش کا نام ہے
دیش رکھشا ہی سب سے بڑا کام ہے

جذبۂ دل کی، جوششِ نمو کی قسم
درد و داغ و غم و آرزو کی قسم
تن بدن میں مچلتے لہو کی قسم
"ہند ماتا" تری آبرو کی قسم

جان پر اپنی خود کھیل جائیں گے ہم
تیری عظمت کو لیکن بچائیں گے ہم

شکیب ایاذی

"فریب"

شبِ تاریک کے چہرے سے وہ آنچل ڈھلکا
آسماں پر لو، سپیدیٔ سحر چھائی ہے
انتظار سحر و شام کیا تھا جس کا
ہاں وہی صبح وہی صبح نکل آئی ہے

پھر بھی یہ صبح حقیقت میں کوئی صبح نہیں
نہ تو شبنم ہے، نہ سبزہ ہے نہ گل بوٹا ہے
اک فریبِ نظرِ حُسن کا پردا ہے یہ
نہ تو خنکی ہے نہ تابانیٔ نظارا ہے

یہ الگ بات ہے کہ اپنی نگاہیں رکھ کر
چاندنی رات کو ہم صبح سے تعبیر کریں
یہ الگ بات ہے کہ مصلحتِ وقت کے ساتھ
اپنے جذبات کو در حلقۂ زنجیر کریں

اشفاق احمد اعظمی

وادیاں اور ویرانے

میرے من کا پیاسا پنچھی
پنگھٹ پنگھٹ پیاس بجھاتا
پر پھیلا پھیلا کر گھوما
ازل سے پیاسے لب کا لیکن
اک کونہ بھی نہ بھیگا
میرے من کا پیاسا پنچھی
رہا ہمیشہ پیاسا

کیا جانے کب تک میں یونہی
پیاسا ہی رہ جاتا
دل کے ان شعلوں کو شاید
ساتھ ہی لے کر جاتا
تو نے نینوں کے امرت سے
من کی پیاس بجھائی
تیرے دل کی وادی سے اک ایسا
چشمہ پھوٹا
جس نے
میرے من کی
جلتی پھلواری کو سینچا
اپنے من میں آگ لگا کر
میری آگ بجھائی
یعنی مجھ کو امرت دے کر
زہر پیا ہے تو نے
کیوں نہ کہوں میں آج کہ مجھ سے
پیار کیا ہے تو نے!

غزلیں

محبوب نظر

میں تازگیٔ علم و ہنر لے کے اٹھا ہوں — تابندگیٔ فکر و نظر لے کے اٹھا ہوں
مجھ غم نہیں برہم ہے اگر گیسوئے ہستی — میں شانۂ صد چاک جگر لے کے اٹھا ہوں
رکتا نہیں جو سختیٔ منزل کے بھی رو کے — ہمراہ میں وہ عزمِ سفر لے کے اٹھا ہوں
ذرّوں کو بھی جو بخش دے تابِ مہ و انجم — ظلمات میں وہ داغِ جگر لے کے اٹھا ہوں

علی اختر

بے غرض غم کی ترجمانی سے — کام لیتا ہوں نغمہ خوانی سے
گلستاں گلستاں ہے دامنِ دل — میرے اشکوں کی گل فشانی سے
راس آیا نہ موسمِ گل بھی — رو پڑے فرطِ شادمانی سے
اس کو کیسے بھلائیں اے اختر
غم ملا جس کی مہربانی سے

مراسلات

رسالہ افسر کے بارے میں مزید تحقیق

قبل ازیں میں نے اپنے ایک مضمون میں رسالہ افسر کے بارے میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ دوسری اور تیسری جلد کا کوئی شمارہ دستیاب نہ ہو سکا البتہ اس کے متعلق پنڈت مانک راؤ وٹھل راؤ نے اپنی تاریخ "بستان آصفیہ" میں لکھا ہے کہ "ابتدا میں مولوی محب حسین صاحب ایڈیٹر "معلم نسواں" دو سال تک ایڈیٹر رہے۔ چند روز کے لئے رسالہ بند ہو گیا بعد ازاں مولوی عبدالحق بی اے کے زیر ایڈیٹری شائع ہونا شروع ہوا تقریباً دو سال تک جاری رہ کر دوسری بار بند ہو گیا"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ۱۸۹۶ء میں بھی نکلتا رہا اور ۱۸۹۹ء میں کچھ دنوں کے لئے بند ہوا۔ محب حسین صاحب دو سال نہیں بلکہ تین سال ایڈیٹر رہے۔ کتب خانہ سالار جنگ میں افسر کا ایک شمارہ اکتوبر ۱۸۹۹ء کا نکل آیا۔ یہ تیسری جلد کا دسواں شمارہ ہے، اور میجر افسر الدولہ بہادر کی سرپرستی، ممتاز یار جنگ کے زیر اہتمام محب حسین صاحب نے ترتیب دیا ہے اور حیدرآباد پریس ہی میں چھپا ہے۔ اس میں جملہ سات مضامین دو جز یعنی ۳۲ صفحات پر مشتمل ہیں۔ پچھلے شماروں کی طرح ان مضامین کو بھی محب حسین صاحب ہی نے لکھا یا ترجمہ کیا ہے۔ البتہ ایک اہم عبارت بابائے اردو کے تعلق سے اس کے آخری صفحے پر ملتی ہے کہ "یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ للعہ ہے۔ اس کے متعلق تمام خط و کتابت جناب مولوی عبدالحق صاحب۔ بی۔ اے، (فینسٹرون مڈلسٹ) ہیڈ ماسٹر مدرسہ آصفیہ ملک پیٹ سے کرنا چاہیئے۔" محمد عطا منیجر دفتر۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب نے افسر کی ادارت جنوری ۱۹۰۰ء ہی سے قبول کی، لیکن اکتوبر ۱۸۹۹ء سے ان کا تعلق افسر سے ہو گیا تھا۔ نومبر اور دسمبر کے درمیانی دو مہینے رسالہ شائع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، ان میں کسی شمارے تک رسائی نہ ہو سکی۔ افسر جلد چہارم ۱۹۰۰ء کی تفصیلات پیش کی جا چکی ہیں جو بابائے اردو کی ادارت میں نکلتا رہا۔

(محمد اکبر الدین صدیقی)

خوب بچاؤ
خوب اگاؤ
بھارت کو
مضبوط بناؤ

انجمن کی مجوزہ عمارت کا نام

"ہماری زبان" مورخہ ۸ فروری ۱۹۷۳ء میں دو مراسلات زیر عنوان "اردو بھون یا اردو محل" میں نے بھی بہت دلچسپی سے پڑھے۔

میرے خیال میں اس مسئلے پر زیادہ دماغ سوزی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اردو زبان سے دلچسپی رکھنے والوں اور اس کی ترقی کے خواہش مندوں کو چاہیئے کہ اس فضول بحث میں پڑ کر وقت ضائع کرنے کے بجائے زیادہ ٹھوس کاموں کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کی مجوزہ عمارت کا نام خواہ کچھ ہو (اردو محل یا اردو بھون) وہ اتنا قابل غور مسئلہ نہیں جتنا کہ اردو زبان کی ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں اس کی ترقی و اشاعت اور اپنے جائز حق اور مستحق جگہ حاصل کرنے کا۔

ویسے اگر مشغلہ جاری رکھنا مقصود ہے تو اس پر رائے شماری کی جا سکتی ہے۔

(م۔ الدین، جے پور)

یہ بحث اب ختم کی جاتی ہے۔

(ادارہ)

مسلم ویمنس کلچرل سوسائٹی

لمبے چوڑے عزائم کے ساتھ ہم نے یہ سوسائٹی قائم کی ہے، جہاں اور بہت سی سرگرمیاں ہیں وہاں کچھ ادبی سرگرمیاں بھی ہیں۔ فی الحال ہمارے سامنے دو کام ہیں: "ہماری زبان" کی توسیع اشاعت اور ایک دار المطالعہ کا قیام۔ دار المطالعے کے لئے بہت سی کتابیں خریدی ہیں، اور مزید چند اچھے رسالوں کی خریداری۔ اردو کے اشاعت گھروں سے درخواست ہے کہ اپنی فہرستیں ہمیں ارسال کریں۔ رسالے پرچے نمونے کی کاپیاں ارسال کریں۔

جو خواتین قلمی دوستی کی خواہاں ہیں وہ ہم سے پتے حاصل کر سکتی ہیں۔

اپنے علاقے میں اردو کی مفت تعلیم کا انتظام بھی ہم کر رہے ہیں۔ ہمارا پتہ: مسلم ویمنس کلچرل سوسائٹی A-11، تانتی بگان لین، فلیٹ نمبر ۹، کلکتہ ۱۴، مغربی بنگال

(نیلوفر امین)

ضروری اعلان

براہ مہربانی خط کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

اصول متعلق اعراب

میں نے ہماری زبان مورخہ ۸ فروری ۱۹۶۳ء میں ایم اے حسن چنہردی کا عنوان بالا کے تحت مضمون پڑھا جس میں میرے مدونہ اصول پنجگانہ سے جو بدیہات پر مبنی ہیں اختلاف کیا گیا ہے۔ موصوف کا ادعا ہے کہ انگلے قواعد دانوں نے اعراب اور حروف علت میں بہتیری غلطیاں ہوئی ہیں، جن کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ اب وہ غلطیوں کو دور کرنے کے لئے اصلاحی قدم اٹھاتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ضرور کوشش کیجئے، چشم ما روشن دل ما شاد۔

واضح ہو کہ میں آپ کی جذباتی تحریروں کا برابر مطالعہ کرتا رہتا ہوں اور آپ کی نئی تجویزوں پر بھی میری گہری نظر ہے۔ معاف فرمایئے! آپ کی کوئی تجویز بھی مجھے معقول اور اصلاحی نہیں معلوم ہوئی۔ کبھی تو آپ ماحول سے متاثر ہو کر اردو ابجد کو مثل ہندی کے الگ الگ حرفوں میں چھاپنے اور ہندی ماتروں کے ذریعے سکھلانے کی تجویز پیش کرتے ہیں اور کبھی لکھاوٹ میں یائے مفتوحہ، یائے معروف، یائے مجہول اور یائے لین کے لئے غیر علمی اور بے تکی علامتیں تجویزتے ہیں اور انھیں بزعم خود سائنٹفک سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے لکھنے کا موجودہ طریقہ ہی بہتر ہے۔ آپ کی اوپر کی دو تجویزیں ایسی ہیں، جن کو اردو کے ماہرین لسانیات و تعلیم ہرگز پسند اور قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آمدم برسر مطلب اختلافی باتوں کا جواب حسب ذیل ہے:۔

(۱) میں نے کہا مبتدیوں کو اردو اعراب ناموں کی بجائے آوازوں کے ذریعے سکھلایئے۔ البتہ خواندہ لڑکوں کی حد تک اعرابوں کے نام بتلایئے تاکہ ایک دوسرے اعراب میں تمیز ہو سکے۔ اب تک اردو میں حروف علت تین تھے یعنی الف، واؤ اور ی، یہ چوتھا حرف علت (ع) کہاں سے آگیا؟ آیا ایجاد بندہ ہے؟

(۲) جزم کا استعمال الفاظ کے شکل (Syllable) کی ملاوٹ میں ہوتا ہے۔ اگر کسی لفظ میں تین سِلّک ہوں اور وہ الگ الگ لکھے جائیں، تو اس صورت میں جزم استعمال کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اس لفظ کو تین شکلوں کے ساتھ ملا کر لکھنا ہو تو ایسی حالت میں جزم کا دینا لازم ہے، ورنہ ترکیبی صورت میں اس لفظ کا صحیح تلفظ ادا نہیں ہو سکتا۔ مثلاً مُستعلیق یہ (انفرادی صورت میں) مُس، تَع، لیق اور (ترکیبی صورت میں) مُستعلیق لکھا جائے گا۔ ہندی میں جزم نہیں ہوتا، اس میں مفتوح ہی کو سکون سے پڑھتے ہیں۔ یہ خوبی اردو ہی کو حاصل ہے۔

(۳) واؤ۔ بے شک پیش کی قائم مقام ہے، کیونکہ اس کی آواز پیش کے مانند گول سی ہوتی ہے۔ یہ گول آواز تینوں واؤں یعنی واؤ معروف، واؤ مجہول اور واؤ لین میں مشترک ہے، لیکن ان کا عمل مختلف ہے، واؤ مجہول کم کھینچتی اور واؤ معروف زیادہ کھینچتی ہے اور واؤ لین پھیلتی ہے۔

(۴) تشدید، جزم اور ہمزے کے بارے میں آپ کے ٹوکے کو خاطر میں لائے بغیر چنوتی دیتا ہوں کہ یہ تینوں اعراب ہیں، اس لئے کہ تشدید حرف کی آواز کو دوہری کرنے میں، جزم حرف کی آواز کو ملانے میں اور ہمزہ حرف کی آواز کو مدغم ظاہر کرنے میں سہاروں کا کام دیتے ہیں۔ نحویوں کے نزدیک اعراب سے مراد وہ سہارے ہیں جن کے ذریعے حرفوں کی آواز نکلتی ہے۔

ہمزے کے متعلق آپ نے اس کی تعریف اور موقع استعمال کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ ہمزہ وہ اعراب ہے جو کسی حرف کی مدغم آواز کو ظاہر کرے۔ اس کا استعمال خاص طور پر اردو میں نون غنہ اور یائے مخلوطی کے درمیان، سنسکرت ہندی کے سمیکت ویجن اور انگریزی کے ایس (S) سے شروع ہونے والے لفظوں میں ہوتا ہے اور یہ لفظ کے شروع میں اور درمیان میں لکھا جاتا ہے۔ (غلام رسول)

بیخود بدایونی اور ان کی عقیدتمندی

اخبار "ہماری زبان" ۸ جنوری ۱۹۶۳ء میں "بیخود بدایونی" کے زیر عنوان ایک مراسلہ نوشتہ جناب بیکس جودھپوری نظر نواز ہوا۔ موصوف قابل داد ہیں کہ انھوں نے بے خود بدایونی کے اتنے متعلقات کو ذہن میں محفوظ رکھا۔ اس سے کئی مفید باتیں، حالات مشمولہ دیوان بے خود سے زاید علم میں آتی ہیں۔ جن کے لئے جناب مراسلہ نگار لایق شکریہ ہیں۔

مراسلۂ محولہ میں بے خود کا ۱۲۹۲ھ میں وکالت شروع کرنا ظاہر کر کے اسی زمانے میں فصیح الملک داغ دہلوی کے تلامذہ میں داخل ہونا بتایا گیا ہے جو خلاف واقعہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ خود نوشتہ حالات سے ۱۲۹۶ھ میں یا اس کے اور گرد بے خود کا شاگرد ہونا علم میں آتا ہے۔ مرحوم نے دیوان میں جہاں اس واقعے کا ذکر قلمبند کیا ہے وہاں مولانا حالی کے "مدوجزر اسلام" اور داغ کے دیوان اول یعنی گلزار داغ کا "نظر افروز" ہونا بھی تحریر کیا ہے اور یہ دونوں کتابیں ۱۲۹۶ھ میں پہلی بار منصۂ شہود پہ آئی ہیں۔

جناب بیکس نے اپنے ذاتی خیال کی بنا پر بیخود کا سال وفات ۱۹۱۲ء بتایا ہے۔ جب کہ حضرت جوش ملسیانی نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ ماہنامہ "آئین الادب" مارچ ۱۹۴۵ء کے صفحہ ۲۷ پر، نومبر ۱۹۱۲ء میں ان کا فوت ہونا تحریر کیا ہے، جس کی اطلاع بذریعہ مکتوب الحاج شیخ عبداللہ بیکانیری سابق جج بیکانیر نے راقم سطور کو بہم پہنچائی ہے اور اسی کی بنا پر راقم سطور نے اپنے مضمون مطبوعہ "اردو ادب" علی گڑھ ۱۹۶۱ء شمارہ ۳ رسالہ سہ ماہی انجمن ترقی اردو ہند میں سال وفات قلمبند

کیا ہے۔ پس میں جناب بے کس سے درخواست کروں گا کہ وہ ازراہِ کرم ہم مقام ہونے کے ناتے کماحقہ تحقیق کرکے بے خود بدایونی کا سالِ وفات بتائیں، نیز مزار کی نشان دہی کریں اور اگر اس پر کوئی کتبہ ہو تو اس کی نقل بھی ذریعۂ "ہماری زبان" حلقۂ علم و ادب تک پہنچانے کی تکلیف فرمائیں۔ ان کے صاحبزادگان سے خط کتابت کریں تاکہ صحیح تاریخِ وفات معلوم ہو سکے، نیز ان کو یہ بھی لکھیں کہ وہ اپنے والد کے سالِ وفات نیز دوسرے امورِ نامعلومہ پر روشنی ڈال کر حلقۂ علم و ادب کو ممنون فرمائیں کیونکہ زیادہ وقت گزر جانے پر ذرائع معلومات مسدود ہو جاتے ہیں اور پھر اختلافات کی تہ کو پہنچنا جوئے شیر لانے کے مصداق بن جایا کرتا ہے۔ اس لئے جناب بیکس اور بے خود کے سعادت مند صاحبزادگان کو اس طرف ضرور توجہ کرنی چاہیے، یا ان کے پتے سے جناب بے کس ذریعہ اخبار اطلاع دیں تاکہ براہِ راست ان سے خط کتابت کی جا سکے۔

آخر میں یہ کہ نعتیہ اشعار مشمولۂ مراسلہ میں سے بے خود کے تیسرے شعر کا جو پہلا مصرع رہ گیا ہے اس کے ساتھ ایک شعر اور ہے کیونکہ یہ قطعہ ہے چنانچہ ہر دو شعر دیوانِ بے خود سے یہاں منتقل کئے جاتے ہیں:

یوسف کا حسن، نوح کی سطوت، دمِ مسیح
خلّتِ خلیل کی، یدِ بیضا کلیم کا
القصّہ ہر نبی کی کرامت ہے آپ میں
کیا مرتبہ ہے واہ رسولِ کریم کا

قطعۂ مذکور میں "نبی" کے لئے "کرامت" کا استعمال میری رائے میں مناسب نہیں کیونکہ اس حلقے سے سرزد شدہ غیر فطری امور کو "معجزہ" کہا جاتا ہے۔ "کرامت" کا تعلق اولیائے کرام سے ہے۔

(معراج دھولپوری)

بقیہ

کلامِ مظہر جانجاناں کی گمشدہ بیاض

بخشے ہیں جوت دل کو .... ہے عاشقوں کے گھر ..... [۱]
نکلے ہے جب وہ لالہ .... ہر ایک قدم پر اس کے .....
دنیا کے .... حاصل ہوا ہے ہم کوں .....

دیکھو نہ شہرِ مصر کے نیچے جو نیل ہے یعقوب کے دو دیدۂ تر کی دلیل ہے [۲]
یوسف سے میہماں کو رکھے کیوں نہ وہ عزیز ..... واں میں کعبۂ دل کے خلیل ہے
... جوئے اشک رواں پی کے ہجر میں پیاسا نہ جاوے نذرِ خدا کی سبیل ہے

قمری نہ عندلیب پپیہا نہیں نہ مور [۳]
اس خوش گلوئے سبز کوں کویل کہا کرو
... کہو ہلال کہو سرِ جبیں کا ٹکہ
یہ ... کا چاند ہے کامل کہا کرو
آتش کہو شرارہ کہو کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو
جس درد مندِ عشق کی چھاتی پہ ہو رقیب
تحقیق اس مرض کے لئے سل کہا کرو

تمہاری جب سے آئی ہیں سجن دیکھنے پہ لال انکھیاں [۴]
ہوئی ہے جب سے دو لی خوش نما صا جمال انکھیاں
علاج ان کا.............. کہو اس میں............. [۵]
مرا دل پوٹلی کی طرح .... عجب ٹوٹکا ہے اس.......... [۶]

اس ہو کمر سے کہہ کہ میاں .... کیا نازکی کا بوجھ .... [۷]

نازک تنی پر اپنی .... مو سے کمر .... [۸]

اُٹھے کیوں نہ مرے دل سے بھبھوکے [۹]
خیال از بس کے ہیں اُس شعلہ خو کے
ہر چند کہ تجھ آہوئے وحشی میں ..... بے تاب کے دل .... [۱۰]
ہو تو خدا کے واسطے ٹک لعل لب سیتے [۱۱]
دیکھو تو جان تم کو مناتے ہیں کب سیتے

---

۱ اور ۲ شاعر کا نام نہیں معلوم۔ ۳ یہ غزل مرزا مظہر جانجاناں کی ہے اس کا تیسرا شعر تقریباً ہر تذکرے میں ملتا ہے۔ باقی اشعار مرزا کے ذخیرۂ کلام میں اضافہ کرتے ہیں۔

۴ تا ۱۰ شاعر کا نام نہیں معلوم۔

۱۱ آبرو کا شعر ہے۔ (ڈاکٹر اردو ڈگراف دیوان آبرو علی گڑھ یونیورسٹی)

معاصرین

زِ فرق تا بہ قدم!

ہم اُردو اور اُردو کے رسالوں کے لئے ناسا عد حالات کا رونا اکثر روتے رہتے ہیں لیکن اگر ہم ہندوستان کی دیگر زبانوں کی طرف نظر دوڑائیں تو وہاں بھی ہمیں یہی شکایت سُنائی دے گی۔ اُردو والے اب تک یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اُردو کے ساتھ ہی ناانصافیاں ہوتی ہیں۔ اُردو کی کتابیں چھاپنے والے نہیں ملتے۔ اُردو رسائل سورج کی پہلی کرن کے ساتھ نکلتے ہیں اور غروب آفتاب کے ساتھ غروب ہو جاتے ہیں۔ باہر جھانکنے پر ہمیں معلوم ہوگا کہ دوسری ہندوستانی زبانوں کی حالت بھی اُردو سے کچھ کم نہیں ہے اور اس فہرست میں ہندوستان کی سرکاری زبان بننے والی ہندی بھی شامل ہے۔ ہندی والوں کی بھی کم و بیش یہی شکایتیں ہیں جو اُردو رسائل والوں کی ہیں۔

پونا ایک نہایت صاف ستھرا اور سنجیدہ ہفتہ وار "سادھنا" جس کا اجرا آج سے بیس سال پہلے ہوا تھا آج بھی انتہائی ناسا عد حالات کا شکار ہے اور نہایت غیر یقینی حالات سے گزر رہا ہے۔ اُسے بھی اشتہار نہیں ملتے، خریدار نہیں ملتے۔ اپنی بیس سالہ زندگی میں وہ کئی بار بند ہوا اور اپنے چند چاہنے والوں اور پرستاروں کی مالی امداد سے پھر جاری ہوا۔ جب کبھی اس پر بُرا وقت پڑتا ہے تو اس کو جاری رکھنے کے لئے خواہشمند اس کی مدد کو آجاتے ہیں۔

پچھلے سال سیلاب پونا میں' اس کا دفتر اور پریس سب سیلاب کی نذر ہو گئے۔ پرچے کو زندہ کرنا ایک معجزے سے کم نہ تھا۔ پرچے کے کارکنان آس کھو بیٹھے تھے۔ لہٰذا انھوں نے مقامی اخبار میں پرچے کے تعلق سے ایک اعلان دے دیا کہ وہ پرچہ بند کرنے پر مجبور ہیں۔ اعلان کا نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے روپیوں کی بوچھار سی ہو گئی اور ایک ہفتے کے اندر ہی اتنی رقم جمع ہو گئی کہ پرچے کا دفتر پھر سے قایم ہو گیا۔ پریس کام کرنے لگا، اور دوسرے ہفتہ پرچہ مارکیٹ میں آگیا۔

اس سے دو نتیجے نکلتے ہیں ایک یہ کہ اچھے اور سنجیدہ پرچے خواہ وہ کسی بھی زبان کے ہوں چل نہیں پاتے دوسرے یہ کہ اگر سنجیدہ پرچے چل سکتے ہیں تو صرف اپنے ہمدردوں اور ہم زبانوں کی مدد ہی سے چل سکتے ہیں اور ہندی اور اُردو کے اخباروں میں بھی فرق ہے۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔

(دورِ حیات)

پروفیسر لوئی مسینوں کی وفات

پچھلے مہینے فرانس سے مشہور مستشرق پروفیسر لوئی مسینوں کی وفات کی افسوسناک اطلاع آئی۔ پیرس یونی ورسٹی میں پروفیسر تھے، اور اسلامیات پر ایک بلند پایہ ماہنامہ فرنچ زبان میں نکال رہے تھے۔ خصوصی موضوع تصوف اسلامی تھا، جس میں منصور حلاج کی کتاب الطواسین انھیں کی ترتیب، تہذیب و تحشیہ کے ساتھ شائع ہوئی تھی اور یہ حلاج سے متعلق ایک معتدل و متوازن مسلک رکھتے۔ شروع ۱۹۵۸ء میں لاہور میں جو آفاق گیر پیمانے پر اسلامیات سے متعلق مذاکرہ (کلوکیم) منعقد ہوا تھا، اس میں یہ بھی آئے تھے۔ ان کی نشست ان سطور کے راقم کے قریب ہی تھی۔ گو بجز ہم نشینی کے نوبت ہم کلامی کی نہ آئی۔ اچھے خاصے معمر تھے۔ گراں گوشی بہت بڑھی ہوئی تھی، جو مستشرقین اسلام کے بہت ہمدرد اور مسلم نواز سمجھے جاتے تھے، انھیں میں ایک ان کا بھی شمار تھا۔ مولانا ابوالکلام سے اُن کے اوائل عمر میں بغداد میں علامہ محمود آلوسی (صاحب تفسیر روح المعانی) کے لڑکے یا پوتے کے ہاں مل چکے تھے۔

اخلاق و اطوار میں بڑے ہی شریف تھے۔ ۱۹۵۳ء میں جب نئی دہلی گاندھیات کے سیمنار (مذاکرہ) میں آئے تو اپنے مقالے میں کہا کہ میں تو گاندھی جی کی تعلیمات کو مسلمانوں کے واسطے سے سمجھا ہوں۔

(صدقِ جدید)

انجمن تعمیر اُردو دلّی

۱۰ فروری کو انجمن تعمیر اُردو کی ہفتہ وار ادبی نشست میں پنڈت برج نراین چکبست کو دلّی کے ادیبوں کی جانب سے خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ پروفیسر راجیندر ناتھ شیدا نے نشست کی صدارت کی، اور چکبست کو اپنے دور کے عظیم قومی اور انقلابی شاعر کی حیثیت سے خراج پیش کیا۔

جناب منشی گوپی ناتھ امن لکھنوی صاحب نے اُن کی ذاتی زندگی اور اُن سے پہلی ملاقات اور آخری مشاعرے میں قومی نظموں کی سماعت اور سیاسی جلسوں میں ان کی نظم گوئی کا ذکر فرمایا۔

بعد ازاں جناب اسلم پرویز نے چکبست پر ایک معرکۃ الآرا نظم سنائی جسے انتہائی داد و تحسین کے ساتھ سُنا گیا۔ تنقیدی دور میں باقی ایم۔ اے اور عاشق صاحب نے غزلیات پیش کیں۔

اس کے بعد نرتیش کمار شاد، گلزار دہلوی، سلام مچھلی شہری حضرت بسمل سعیدی اور جناب گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی نے خصوصی فرمائش پر اپنا کلام سُنایا۔

۲۴ فروری کو پنڈت تربھون ناتھ صاحب زتشی زار دہلوی کی صدارت میں انجمن تعمیر اُردو دلّی کی ادبی نشست منعقد ہوئی جس میں مرزا اسد اللہ خاں غالب اور مولانا ابوالکلام آزاد کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ پروفیسر رشید حسن خاں صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا آزاد نے صحافت کے راستے دین اور سیاست کو عوام تک پہنچایا اور اپنی خصوصیت کو برقرار رکھ کر صحافت کو ادب عالیہ کا درجہ عطا کیا۔ اسی طرح مرزا غالب ایک آفاقی اور ماہر نفسیات شاعر تھے جن کی منفرد شخصیت تھی۔ وہ ہر دور کے نقیب اور لافانی شاعر ہیں، ان کا کلام پڑھ کر آدمی تیزی سے آگے کی طرف بڑھتا ہے۔ ان کے یہاں بیک وقت نظر کی پیچیدگی اور فکر کی سادگی سدا بہار وصف بن کر روشن نظر آتے ہیں۔ (جنرل سکریٹری)

حبیب الرحمٰن　　　　(گذشتہ سے پیوستہ)

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش

اُردو کالج تقریباً نو سال پہلے عثمانیہ یونی ورسٹی نے مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لئے سرٹیفکٹ، ڈپلوما اور ڈگری کورس کا آغاز کیا، اور اس غرض سے اُردو، ہندی، تلگو، مرہٹی، کنڑی، سنسکرت، فارسی اور عربی میں انٹرنس، ڈپ او ال اور بی او ال کے نصاب تیار کرائے اور یہ اعلان کیا کہ ان نصابوں کی تعلیم خود یونی ورسٹی کے اپنے کالجوں میں تو نہ ہوگی۔ البتہ جو لوگ چاہیں اس غرض سے اپنے اپنے خانگی کالج قائم کریں جنھیں مقررہ شرائط کے تحت یونی ورسٹی تسلیم کرے گی۔ اس اعلان کے بعد تین سال تک اُردو والوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ بالآخر انجمن ترقی اُردو کو قدم اُٹھانا پڑا اور سنہ ۱۹[illegible]ء میں سال تعلیمی کے آغاز پر یونی ورسٹی کی منظوری سے انٹرنس اور ڈپ او ال سال اول کی جماعتیں صرف ۲۲ اور ۹ طلبہ کی تعداد سے شروع کردی گئیں۔ ان چھ سال کے عرصے میں اس کالج کو چلانے کے لئے ہمیں کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کا ذکر اب بے سود ہے۔ البتہ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اب اس کالج میں ایک سو سے زائد طلبہ تعلیم پا رہے ہیں۔ محکمۂ تعلیمات میں اساتذہ کے تقرر کے لئے ان امتحانات کو انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے مماثل قرار دیا گیا ہے، اور ریاستی پبلک سروس کمیشن نے بھی سرکاری دفتروں میں تقرر کے لئے ان امتحانات کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس کالج کے قیام سے جہاں ایک طرف اُردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے کام کو فروغ ہوا وہیں ایسے اُردو داں اشخاص پر جو کسی وجہ سے اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے تھے اعلیٰ تعلیم کے حصول کا دروازہ کھل گیا۔

اُردو آرٹس کالج جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں پولیس ایکشن کے بعد عثمانیہ یونی ورسٹی کا ذریعۂ تعلیم بجائے اُردو کے ہندوستانی (اُردو اور دیوناگری لکھاوٹوں میں) قرار دیا گیا۔ توقع یہ تھی کہ اس اقدام سے یونی ورسٹی میں اُردو باقی رہ جائے گی۔ لیکن عملاً ایسا نہیں ہوا بلکہ چند ہی سال کے اندر انگریزی پوری یونی ورسٹی کا ذریعۂ تعلیم بن گئی۔ اور ہندوستانی جماعتیں صرف ایک دو کالجوں میں برائے نام رہ گئیں۔ البتہ بہت سے طلبہ اور طالبات جو انگریزی زبان کے لکچروں میں شریک ہوتے تھے وہ اپنی سہولت کے مطابق اُردو یا ہندی میں جوابات لکھا کرتے تھے۔ دو سال ہوئے یونیورسٹی نے یہ سہولت بھی ختم کر دی جس کی وجہ سے طلبہ کے ایک بڑے طبقے میں حیرانی اور مایوسی پھیل گئی۔

اس مشکل سے نپٹنے کے لئے ہندی والوں نے سال گزشتہ اپنا ایک علیحدہ کالج قائم کر لیا اور عثمانیہ یونی ورسٹی سے اس کا الحاق بھی ہو گیا۔ اسی طرح ایک خانگی زنانہ کالج میں انگریزی کے ساتھ ساتھ تلگو ذریعۂ تعلیم کی متوازی جماعتیں قائم ہو گئیں۔ نتیجہ یہ کہ عثمانیہ یونی ورسٹی میں انگریزی، ہندی اور تلگو یہ تینوں زبانیں تو ذریعۂ تعلیم بن گئیں اور اُردو جو کسی زمانے میں اس کا خاص نشانِ امتیاز تھی وہ اس مرتبے سے محروم ہو گئی۔ اُردو والوں کے لئے یہ صورتِ حال جس قدر رنج دہ ہو سکتی ہے اس کا اظہار غیر ضروری ہے۔ اب اگر اُردو عثمانیہ یونی ورسٹی میں بہ حیثیت ایک ذریعۂ تعلیم کے باقی رہ سکتی تھی تو اس کی صرف ایک صورت تھی اور وہ یہ کہ اُردو والے بھی اپنا ایک خانگی کالج قائم کریں۔

ہم نے یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کے بعض اعلیٰ تعلیمی ادارے جو پہلے سے حیدرآباد میں قائم ہیں وہ اس میدان میں قدم بڑھائیں اور اپنے ہاں اُردو کی متوازی جماعتیں قائم کر کے اس نازک وقت میں اس زبان کی دستگیری فرمائیں۔ لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ بالآخر پھر انجمن ترقی اُردو اور اُردو ہال ٹرسٹ ہی کو میدان میں آنا پڑا اور انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں جولائی سنہ ۱۹۶۲ء میں اُردو آرٹس کالج کا قیام عمل میں آیا۔ اس سال صرف پی، یو، سی کلاس کی تعلیم شروع کی گئی ہے اور عثمانیہ یونی ورسٹی سے اس کا الحاق بھی ہو چکا ہے۔ لیکن اگر اس پودے کو ایک بار آور درخت بننا ہے تو اُردو والوں کو ابھی سے اس کی فکر کرنی چاہئے۔ انجمن کے کارکنوں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ اُردو کے بہی خواہ کس حد تک اپنی ذمے داریوں کو محسوس کرتے ہیں۔

رپورٹ ختم کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ انجمن کے

ایک اور چھوٹے سے کام کا بھی ذکر کر دیا جائے جو حال ہی شروع کیا گیا ہے۔ اور جس کے ذریعے اُردو کی خدمت کا ایک وسیع میدان ہمارے سامنے موجود ہے یعنی دوسری زبانوں والے تعلیم یافتہ اشخاص کو اُردو سکھانا۔

تجربے سے یہ اندازہ ہوا کہ آندھرا پردیش بننے کے بعد سے شہر حیدرآباد میں دوسری زبانوں والے تعلیم یافتہ اشخاص کی خاصی بڑی تعداد آ رہی ہے جو اُردو سیکھنے کی خواہش مند ہے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ اکتوبر تا دسمبر سنہ ۱۹۶۱ء میں اور دوسری مرتبہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۲ء میں انجمن کی طرف سے ایسے اشخاص کے لئے اُردو دانی کی جماعت کھولی گئی۔ شریک ہونے والوں میں تلگو، تامل، مرہٹی، کنڑی، ملیالم، ہندی، کونکنی، سندھی، کئی زبانوں کے بولنے والے تھے۔ اس لئے انگریزی کو ذریعہ بنا کر ان اشخاص کو اُردو سکھانے کا انتظام کیا گیا۔ کوئی صاحب جو اعزازی طور پر اس کام کا بیڑا اٹھا سکیں مجھے نہیں ملے۔ اس لئے یہ ذمہ داری خود مجھے سنبھالنی پڑی۔ گزشتہ مہینے جناب میر احمد علی خاں صاحب کے زیر صدارت ایک چھوٹے سے اجتماع میں گیارہ اشخاص کو جنھوں نے تین مہینے تک اس جماعت میں شریک رہ کر امتحان پاس کیا تھا، اُردو دانی کی سندیں عطا کی گئیں۔ اگر کچھ اُردو دوست اصحاب جو صرف تین مہینے تک ہفتے میں پانچ دن روزانہ ایک گھنٹہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں تو انجمن کی طرف سے اس انتظام کو مستقل شکل دی جا سکتی ہے اس کے علاوہ اُردو کا کام کرنے والے دوسرے ادارے بھی شہر کے مختلف محلوں میں اگر ایسی جماعتیں قائم کریں تو اُردو زبان کی اشاعت میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔

آخر میں تمام اراکین انجمن اور خاص کر مجلس انتظامی کے ارکان کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے اپنے اعتماد کا اہل سمجھا اور میرے ساتھ برابر تعاون کرتے رہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی ایسے ہی باہمی اعتماد اور تعاون کے جذبے سے کام لے کر انجمن اُردو زبان و ادب کی شاندار خدمات انجام دے سکے گی۔

ضرورت ہے اُردو ڈراموں کی

تبیز کے ایک طالب علم کو اُردو کے پرانے ڈراموں کی ضرورت ہے۔ جو صاحب فروخت کرنا چاہیں وہ ڈرامے کے نام، مصنف اور قیمت سے مطلع فرمائیں۔

پتہ: ڈاکٹر نامی - پانڈکا منزل - بھنڈی بازار بمبئی ۳

محمد عتیق صدیقی

تبصرہ

"نیا خواب" (پندرہ روزہ)

ایڈیٹر: احمد کاوش

سالانہ قیمت: تین روپے

ملنے کا پتہ: محلہ بیریان - رام پور (یو۔پی)

رام پور کا پندرہ روزہ "نیا خواب" ۱۵ ستمبر ۱۹۶۲ء سے پابندی سے نکل رہا ہے۔ اس اخبار کے جو شمارے اب تک نکلے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ علی گڑھ اور رام پور کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرنا اس کا خاص موضوع ہے۔ چناں چہ اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی نیا خواب کا "علی گڑھ نمبر" بھی تھا جو سنہ ۱۹۶۲ء کے اواخر میں شایع ہوا تھا، اور جس میں علی گڑھ کی سابقہ اور موجودہ علمی و ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا تھا۔

۱۶ فروری کو نیا خواب کا "ابوالکلام آزاد نمبر" شایع ہوا ہے، جو دلچسپ، اور معلوماتی ہے۔ اس شمارے میں "اقبال اور ابوالکلام" "مولانا کی سنہ ۱۹۰۶ء کی ایک نادر تحریر" اور "ملک کی تقسیم کے خلاف ایک تنہا مجاہد" اہم اور قابل ذکر مضامین ہیں۔ موخر الذکر مضمون ڈاکٹر ڈی، پی، مکرجی مرحوم کے ان دو خطوں کا ترجمہ ہے جو "انڈیا ونس فریڈم" کے سلسلے میں شری چلاپتی راؤ، ایڈیٹر نیشنل ہیرلڈ کو، نجی طور پر لکھے گئے تھے، اور جو اب تک شایع نہیں ہوئے تھے۔ ان خطوط میں مولانا آزاد کے بعض متنازعہ فیہ بیانات کی ڈاکٹر مکرجی نے اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر پرزور تائید کی ہے۔

نیا خواب خوش سلیقگی سے مرتب کیا جا رہا ہے، اور کتابت و طباعت بھی اچھی ہوتی ہے۔ اُردو دوستوں کے لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

مالک انجمن ترقی اُردو علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی۔ نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شایع کیا